روا ایم سرور

تنہائی سے کچھ بات کر



کبھی آپ نے گہنایا ہوا چاند دیکھا ہے۔

یہ سوال اس کے ذہن میں کئی برسوں سے کلبلا رہا تھا۔

مگر گہنایا ہوا چاند اتنا خودسر اور ضدی نہیں ہوتا۔ اجمل سعدی نے اپنے سوالوں کو تھپک کر سلانا چاہا مگر۔۔۔

وہ کبھی کھڑکی میں کھڑا ہو جاتا اور کبھی کتاب کے صفحے میں گم ہو جاتا۔۔۔ اور پھر اس عام سی شہزادی کو نیچا دکھانے کے منصوبے بنانے لگتا۔ مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

"محبت انتقام بھی ہے۔ شہزادی تمہیں زیر کر کے رہوں گا اور تمہارے بے زبان جذبوں کو زبان دوں گا۔"

اس نے فیصلہ کیا اور اٹھ کر رائٹنگ ٹیبل پر آ گیا۔

محبت سب سے بہتر ہے

کوئی بھی دل ربائی کب بھلا اس کے برابر ہے
یہی اک بات تھی اس میں
یہی اک بات تھی اس میں کہ میں ہر شام
اسی ویران کیفے کے اس خاموش گوشے میں
اسی کا منتظر رہتا
وہ ورنہ عام سی لڑکی
نہ اس کی آنکھ میں جادو
نہ اس کی زلف میں خوشبو
نہ اس کی ناک میں ہیرا
نہ اس کے کان میں موتی
نہ اس کے لب میں شیرینی
نہ اس کی چال میں چینی

جلیل ہاشمی کی یہ نظم اس نے اخبار کے ادبی صفحے سے رقم کر کے شہزادی عامر کے آفس کے پتے پر پوسٹ کر دی تھی۔ یہ نظم اس کی شخصیت کی کتنی صحیح عکاسی کر رہی تھی۔ یوں لگا، جیسے اس کو اپنے سوال کا جواب مل گیا ہو، سلگتے دل کو قرار آ گیا ہو۔ احساسات کو زبان مل گئی ہو۔ وہ گزشتہ چار سال سے اس بے حس لڑکی کی محبت میں گرفتار تھا۔

مگر وہ پتھر موم ہی نہ ہوتا تھا۔

اسے یعنی اجمل سعدی کو کبھی کبھی خود پہ بہت حیرت ہوتی۔ وہ بچپن سے ہی حسن پرست رہا تھا۔ وہ ہر چیز پر خوب صورتی کو ترجیح دیتا۔ اس کے بچپن کے کھلونوں میں باہر کی نایاب چیزیں ہوتیں۔ جن میں نمایاں خوب صورت گھر، حسین ترین گڑیا، خوب صورت موتی پتلے اور فطرت کے بے شمار ایسے حسین ترین مناظر جن کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو جائیں۔

اور جس خاندان سے اس کا تعلق تھا۔ وہ بھی جدی پشتی نواب تھے۔ پہننے، اوڑھنے سے لے کر رکھ رکھاؤ تک ہر چیز میں ایک حسن تھا۔ نزاکت تھی۔ دنیا بھر کے نایاب و خوب صورت پودے لمبے چوڑے لان میں ایستادہ تھے۔ خوشنما پھول جابجا دکھائی دیتے تھے۔ اس گھر میں دل سے لے کر دماغ تک ہر چیز میں ایک نوابی شان، تمکنت اور غرور تھا۔

یہی غرور اجمل سعدی کے وجود میں رچ گیا تھا۔ وہ نزل احمد سعدی کی پانچویں اولاد تھا۔ یعنی تین بہنوں اور ایک بھائی کے بعد اس کی آمد دنیا میں ہوئی تھی۔ سب بہن، بھائی شکل و صورت میں ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ علم و ہنر میں یکتا تھے۔ اعلا تعلیم کے حصول کے لیے ملک سے باہر گئے تھے۔

دو بھائیوں نے وہیں اپنی دنیا بسالی تھی۔ مگر کاروبار یہاں سے وہاں تک پھیلا ہوا تھا۔ ہر ایک کی جڑیں ایک دوسرے کے ساتھ دلوں تک گہری تھیں۔ اجمل سعدی کے سوا سب بہن، بھائیوں کی شادیاں اعلا خاندانوں میں ہو چکی تھیں۔ سب اپنی دنیا میں مگن اور خوش تھے۔ ان سب کا معاشرے میں ایک مقام تھا، پہچان تھی۔

پہچان تو خیر اجمل سعدی کی بھی تھی۔ وہ اپنے دوستوں میں ہر دل عزیز تھا۔ دل نواز تھا مگر دل پھینک نہ تھا، اپنی باوقار شخصیت میں ایک مثال تھا۔ اس کے احباب میں ایک سے ایک دوست اس کی شرافت کو توڑنے کے درپے رہتے۔ مگر وہ اس معاملے میں بالکل پگھلتا نہ تھا۔ ظاہر ہے، وہ بھی حسن کا دیوانہ تھا۔ آسانی

سے کسی شے پہ راضی نہ ہوتا۔ اس کے خاندان اور خاندان سے باہر کی کتنی ہی لڑکیاں اس کی طلب گار تھیں۔ اشاروں، کنایوں میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کر چکی تھیں۔ کئی گھرانے شادی کے لیے پیغام بھیج چکے تھے۔ مگر وہ ابھی راضی نہ تھا۔ اس کے والدین نے فیصلہ اس پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ ان کا لخت جگر اور آخری نور نظر تھا۔

اجمل سعدی کی بے چین فطرت کچھ تو اس کو ملکوں ملکوں لیے پھرتی، کچھ وہ سیمابی طبیعت کا مالک بھی تھا۔ جانے کتنی ہی لڑکیوں سے اس کی دوستی تھی۔ انٹرنیٹ پر چیٹنگ کر کر کے اس کی طبیعت اوب سی گئی تھی۔ اچانک اس کو اپنے آپ سے، ماحول سے، ارد گرد سے وحشت ہونے لگی۔ اس کو اپنی ہی دنیا مصنوعی لگنے لگی۔ شاید آسائشات کی زیادتی نے اسے بیمار کر دیا تھا۔ وہ فرار چاہتا تھا اور فرار ہو ہی گیا۔ بغیر کسی کو بتائے خموشی سے وہ اسلام آباد سے اچانک کراچی آ گیا۔

کراچی کے ایک رہائشی علاقے میں ان کا اپنا ایک اپارٹمنٹ تھا جو مدتوں سے خالی تھا۔ شاید کبھی کرائے پر دیا گیا ہو لیکن اب خالی تھا اور اس خالی گھر میں اس نے اپنی دنیا بسالی تھی۔ زندگی کی تمام سہولیات اس گھر میں بھی میسر تھیں۔ پھر یہ کہ یہاں اسے سکون تھا دل کو چین اور قرار تھا۔ اس کے اپارٹمنٹ کی کھڑکی سے دوسرے اپارٹمنٹ کا منظر صاف دیکھا جا سکتا تھا۔ یہاں بیس تیس فیملیز آباد تھیں۔ بالکونی سے وہ دور تک ہرے بھرے مناظر سے لطف اندوز ہوتا رہتا۔ اس علاقے کے ہر گھر میں گملوں اور پودوں کی بہتات تھی۔ سب کا حسن ذوق اور سلیقہ نظر آتا تھا۔ بوگن ویلیا اور منی پلانٹ کی بیل خوش رنگ انداز میں پھیلی ہوئی تھی۔

اس اپارٹمنٹ کی دنیا میں رہتے ہوئے اسے ایک مہینے سے زیادہ ہو گیا تھا۔ کرمو ان کا پرانا ملازم تھا، جو کراچی میں رہتا تھا وہ اکثر دوپہر اور رات کا کھانا تیار کر دیتا تھا۔ وہ اتوار کی صبح ہی آ کر دوپہر اور رات کا کھانا بنا کر جا چکا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے ضروری کام سے حیدر آباد جانا ہے، وہ رات تک لوٹ آئے گا۔

اجمل سعدی کو کوئی اعتراض نہ تھا، وہ اب اس زندگی کا عادی ہوتا جا رہا تھا۔ پورا دن اس نے سو کر، اخبار کی خبریں پڑھ کر، بالکونی میں کھڑے ہو کر گزار دیا۔ آٹھ بجے کے بعد کرمو کا بنایا ہوا کھانا گرم کر کے کھایا اور پھر ٹیلی ویژن کے مختلف چینلز کو دھیان و بے دھیانی کے ساتھ بدلتا رہا۔

کتنی ہی دیر گزر گئی، نہ جانے وہ رات کا کون سا پہر تھا۔ وہ غنودگی کی کیفیت میں تھا کہ اپارٹمنٹ کے دروازے کی مخصوص بیل ڈور نے اسے نیند سے چونکا دیا، وہ حیران تھا کہ اس وقت کون ہو سکتا ہے کرمو کی طرف دھیان گیا، مگر ابھی اس کی واپسی میں شاید دیر تھی۔ دروازہ کھلا تو اجمل نے اپنے خیالات کی نفی کی، سامنے واقعی کرمو کھڑا تھا۔

"تم اتنی جلدی، میرا خیال تھا کہ تمہیں آنے میں مزید دو گھنٹے اور لگیں گے۔ خیر سفر کیسا گزرا اور کیا تمہارا کام ہو گیا؟" وہ اپنی دھن میں بولتا ہوا لاؤنج کی طرف بڑھ گیا۔

"وہ صاحب جی!" کرمو نے اسے آواز دی۔

"ہاں بولو؟" وہ ریموٹ لے کر پھر چینل بدلنے ہی والا تھا کہ کرمو دوبارہ بول پڑا۔

"وہ جی۔۔۔ میرے ساتھ یہ بی بی جی بھی ہیں۔ بڑی افتاد پڑ گئی تھی جی۔ بڑا ہی رولا پڑا تھا، یقین ہی نہیں آتا، یہ اپنا شہر ہے۔ اپنے لوگ ہیں، پھر یہ بی بی جی بڑی مصیبت میں تھی، افراتفری مچی تھی۔ میں ان کو لے آیا جی! آئیں بی بی جی، آگے آ جائیں۔ ہمارے صاحب بہت اچھے ہیں۔"

کرمو کی اچھی خاصی داستان سن کر وہ مڑا اور سامنے متوجہ ہو گیا۔ جہاں بلیو جینز کے ساتھ اجرک کے کرتے میں حجاب پہنے ایک لڑکی کھڑی تھی۔ جو کہیں سے بھی کسی مصیبت میں گھری نظر نہیں آ رہی تھی۔ کم از کم اس کم عمری کی زندگی میں کسی کو پرکھنے کا اتنا تجربہ اسے ضرور تھا۔

وہ سوالیہ انداز میں اس لڑکی کو دیکھنے لگا تو وہ اپنا

www.paksociety.com

تعارف کرواتے ہوئے بولی۔

میرا نام شہزادی عامر ہے۔ میں میڈیا وژن سے وابستہ ہوں۔ ہماری ٹیم کلفٹن کے علاقے میں عبداللہ شاہ غازی کے مزار کے احاطے میں "ملنگ نما خواتین" پر ڈاکو منٹری بنا رہی تھی تو وہیں اس سے ملحقہ سڑک پر ایک ناخوشگوار اور اذیت ناک حادثہ پیش آگیا' اس لیے پوری ٹیم بکھر گئی۔ ہمارا کیمرہ مین زخمی ہوگیا۔ بس کچھ سمجھ میں نہیں آیا' اسی افراتفری میں آپ کے کرمو بابا رحمت کا فرشتہ بن کر آئے تو مجھے ان کے ساتھ آنا پڑا۔ اتنی رات کو تکلیف کی معذرت چاہتی ہوں۔" اس نے مختصراً" بتایا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ یہاں سے اپنے گھر اطلاع کر سکتی ہیں۔ آپ کے گھر والے آپ کو یہاں سے لے جائیں گے۔ کرمو بابا' آپ ان کے لیے کھانے کا بندوبست کریں۔ تب تک آپ فریش ہو جایئے۔" یہ کہہ کر وہ جانے لگا۔

"مگر ایک بات کی وضاحت کروں گی۔" اس نے فوراً" کہا۔

"جی کہیے۔" وہ اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"میرے گھر والے اس شہر میں نہیں رہتے' میں اسلام آباد میں رہتی ہوں۔ وہیں میرا آفس ہے' میرا وہاں سے یہاں آنا ہوا ہے۔ اسی لیے اس اجنبی شہر میں کسی سے شناسائی نہیں ہے۔ ہم لوگ ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اچانک یہ ناخوشگوار حادثہ پیش آگیا' اس لیے کچھ سمجھ میں نہیں آیا' سب بکھر گئے۔ ہم آٹھ افراد ہیں' تین لڑکیاں اور پانچ لڑکے۔ افراتفری اور اندھیرے میں کسی کا کچھ پتا نہیں چلا۔ اس لیے میں یہاں آپ کے سامنے۔" اس نے آخری گفتگو رک رک کر کی۔

اجمل کو یہ سن کر انجانی خوشی ہوئی کہ وہ اسلام آباد میں رہتی ہے' اسی کے شہر میں۔

"پھر بھی کوئی بات نہیں۔ آپ گھبرایئے نہیں' آپ کے جو ساتھی جس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں' وہ یقیناً" کسی نہ کسی طرح وہاں پہنچیں گے وہاں کا ٹیلی فون نمبر مجھے دیجیے میں رابطہ کرتا ہوں۔" اس نے اسے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

اتنا کہہ کر وہ لاؤنج میں رکھے ٹیلی فون سیٹ کی طرف بڑھ گیا اور وہ اپنے بیگ سے کارڈ نکال کر اس کے قریب آئی تو اس نے کارڈ تھام لیا۔

فائیو اسٹار ہوٹل کا نمبر ڈائل کیا تو تھوڑی سی جدوجہد کے بعد مطلوبہ نمبر مل گیا۔ آپریٹر لائن پر تھا۔ اس نے میڈیا وژن سے آئی ہوئی ٹیم کے بارے میں دریافت کیا تو آپریٹر نے کہا کہ وہ ٹیم کسی کوریج کے سلسلے میں باہر ہے۔ ابھی کوئی بھی نہیں آیا ہے۔ اوکے کہہ کر اس نے فون رکھ دیا' وہ اس کی بات کی منتظر تھی۔

"آپ کی ٹیم کا کوئی فرد ابھی تک ہوٹل نہیں پہنچا ہے۔ میرا خیال ہے' آدھے گھنٹے بعد فون کرتے ہیں۔ جب تک آپ فریش ہو جائیں۔" اس نے نہایت شائستگی سے کہا اور کرمو بابا کو اشارہ کیا کہ وہ بی بی کو اندر لے جائیں۔

وہ دھیمے قدموں سے کرمو بابا کے ساتھ اندر کے حصے میں چلی گئی۔

اور وہ اس لڑکی پر پڑنے والی افتاد پر غور کرنے لگا' سونا تو اب بے کار تھا۔ یوں ہی سائیڈ ٹیبل پر رکھے میگزین اٹھا کر ان کی ورق گردانی کرنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اجنبی لڑکی اس کے قریب آگئی۔

"پلیز... دوبارہ فون کرلیں۔" اس کے چہرے پر فکر مندی و پریشانی کے گہرے آثار تھے۔

"اوکے..." اس نے میگزین ٹیبل پر رکھا۔ اس کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ٹیلی فون نمبر ڈائل کرنے لگا۔ مسلسل بیل ہو رہی تھی' شاید آپریٹر سو گیا تھا' تیسری دفعہ ڈائل کرنے کے بعد دوسری طرف سے فون اٹھا لیا گیا اور آپریٹر نے جو بات بتائی' اسے سن کر وہ عجیب سا ہوگیا اور دل ایک دم کٹ کر رہ گیا' یوں بھی ہو سکتا ہے۔ ساری معلومات حاصل کر کے اس نے بمشکل فون رکھ دیا۔

وہ اجنبی لڑکی اس کی منتظر تھی۔ اس کے چہرے پر پریشانی ہویدا تھی۔

"آپ کو ابھی میرے ساتھ اسپتال چلنا ہوگا۔ آپ کی دو ساتھی وہاں زخمی حالت میں ایڈمٹ ہیں۔"

"جی..." اس نے دھڑکتے دل کو تھام کر اپنے حواس کو بحال کرتے ہوئے کہا۔

"مگر کیوں؟"

"وہاں چل کر دیکھ لیتے ہیں' میں گاڑی کی چابی لے کر آتا ہوں۔"

شہزادی کی ذہنی حالت مخدوش سی تھی۔ جب تک وہ گاڑی کی چابی لے کر نہ آگیا۔ وہ یوں ہی بت کی طرح ساکت کھڑی رہی۔

اس کی آواز پر وہ چونک کے خالی الذہن سی بوجھل قدموں کے ساتھ اس کے ساتھ چل پڑی۔ کراچی کے مختلف راستوں سے گزرتی ہوئی اجمل کی گاڑی اسپتال کے سامنے جا کر رکی۔

ایمرجنسی وارڈ کی طرف تیزی سے قدم بڑھاتے ہوئے اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ جیسے ہی لابی میں پہنچے پورا گروپ تو نہیں' مگر دو' تین کے علاوہ سب بے چینی سے کھڑے تھے۔

شہزادی تیزی سے ان کی طرف بڑھی تو یکایک اس کے ساتھیوں میں سے کسی نے کہا۔

"شکر ہے... شہزادی کہاں تھیں تم' کتنا ڈھونڈا تمہیں؟"

"لو خدایا!"

"پاگل ہوگئے ہم تو۔"

"اللہ تیرا شکر ہے۔"

اس کے ساتھیوں کی مختلف آوازیں اور گفتگو اس کے کانوں میں پڑ رہی تھی اور ان کی پریشانیوں کا اندازہ ہو رہا تھا۔ تب ہی وہ بھی آگے بڑھا' اپنا تعارف کروایا۔

ان سب نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اس نے ان سب کے لیے اپنی خدمات حاضر کیں تو وہ بولے۔

"خدارا... ہمیں پولیس اور اخبارات کے چکروں سے بچالیں۔ ہم ویسے ہی پریشان ہیں۔ ہماری دو کولیگز زخمی حالت میں اندر بے ہوش ہیں اور یہ لوگ ہمیں گھیرے ہوئے ہیں۔"

"او کے... آپ اطمینان رکھیے' میں ان لوگوں سے نبٹتا ہوں۔"

وہ اپنے تعلقات استعمال کر کے پولیس اور صحافیوں کو وہاں سے فی الوقت ہٹانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ گو کہ پولیس بضد تھی کہ وہ لڑکیاں ہوش میں آجائیں تو ان کا بیان ریکارڈ کرلے۔ مگر موقع کی نزاکت کا احساس دلا کر ان کو راضی کر ہی لیا گیا۔

اس طرف سے مطمئن ہو کر وہ اس طرف جہاں اریبہ کے ساتھی کھڑے تھے۔ خود بھی ان ہی کے پاس کھڑا ہوگیا۔ اجنبی شہر میں کس پریشانی میں گھر گئے تھے یہ لوگ۔ یوں ہی اپنی سوچوں میں غلطاں تھا کہ ایمرجنسی وارڈ کی طرف سے ڈاکٹرز آتے دکھائی دیے' سب بے قراری سے ان کی طرف بڑھے تو ڈاکٹرز نے بتایا۔

"ایک لڑکی ابھی بے ہوش ہے۔ اس کے سر میں شدید گہری چوٹ ہے۔ خون اس قدر تیزی سے بہہ رہا ہے کہ رکنے کا نام نہیں لے رہا' بہرحال اللہ مالک ہے۔"

جبکہ دوسری لڑکی کو شدید چوٹیں آئی تھیں اور پسلی کی ہڈی بھی متاثر تھی۔ اس کی بینڈیج وغیرہ کر دی گئی۔ ان شاء اللہ اسے دو' تین گھنٹے میں ہوش آجائے گا۔ آپ لوگ دعا کیجیے۔ ڈاکٹرز یہ کہہ کر آگے بڑھ چکے تھے۔

"نرمل کے سر میں چوٹ ہے یا اللہ اسے بچالے اور ان ظالم لوگوں کو تو نہ چھوڑنا۔" شہزادی کی دوست ہچکیوں سے روتے ہوئے بولی۔

"مصباح بھی ہوش میں نہیں ہے۔"

"ہم ان لوگوں کو بغیر سزا کے نہیں چھوڑیں گے۔" وہ سب آپس میں روتے' سسکتے ہوئے بات کر رہے تھے۔

وہ کون لوگ تھے' کیسے لوگ تھے جنہیں اپنی بہنوں' بیٹیوں کی عزت کا پاس نہیں ہے۔

کیا وہ انسان نہیں تھے؟

www.paksociety.com

کیا انہوں نے انسانی معاشرے میں آنکھ نہیں کھولی۔

کیسے بے درد تھے، کمزور عورت کو مسل ڈالا۔

تف ہے ایسے مردوں پر۔ جس نے عورت کے بطن سے جنم لیا، اس کے احترام اور عزت کو پامال کیا۔

اللہ... کیسی اندھیر نگری ہے۔ یا اللہ ان کے ذہنوں کو اجال دے۔ ان کا میلا پن دور کردے۔ ان سب کے دلوں سے زخمی آہیں نکل رہی تھیں۔

اجمل ان کی کیفیت کو سمجھ رہا تھا۔ دیکھ رہا تھا، محسوس کر رہا تھا مگر اس کا دماغ بھی کام نہیں کر رہا تھا۔

وہ پوری رات یوں ہی تمام ہوگئی تھی۔ شہزادی اپنی دوست کے کندھے سے لپٹی ہوئی چپ بیٹھی ہوئی تھی۔ آنکھیں پتھر کی طرح ساکت تھیں۔

"یا اللہ... ان لڑکیوں کو ہوش آجائے۔ ورنہ..."

ایک خدشہ دل میں ابھرا تو اس نے فوراً" اپنے خیالات کی نفی کی۔

انسان بھی کتنا مجبور ہے۔ اپنی سوچوں کے پنجرے سے باہر نہیں آسکتا۔ جو خدشے اس کے دل میں پرورش پارہے ہوں۔ قدرت اسے سچ کردیتی ہے۔

وہ معصوم لڑکی نرمل جو میڈیا وومینس سے وابستہ ہو کر زندگی کے حقائق کو دستاویزی شکل میں سامنے لاتی تھی۔ سر کی گہری چوٹ کو اندر ہی اندر برداشت کرکے زندگی سے ناتا توڑ بیٹھی اور بے چاری مصباح کو ان ظالموں نے اس قدر چوٹیں پہنچائی تھیں کہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ پسلی کی ہڈی جڑنے کے بعد بھی کتنے دن زندگی کی رنگینیوں سے دور رہے گی اور پھر قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ اخبارات نے اس ہولناک حادثے کی کور اسٹوری شائع کی تھی۔ پولیس نے اس کیس کی تفتیش پہ کتنے ہی لوگوں کا گھیراؤ کیا۔ کتنے بے گناہوں کو جیل میں بند کردیا۔ مگر سب بے کار۔

جو ہونا تھا، وہ تو ہوچکا تھا، ایسے نقصان کبھی پورے نہیں ہوتے۔

اجنبی شہر کے اجنبی راستوں میں بہت قیمتی لوگ کھوگئے تھے۔ شہزادی عامر اس حادثے کو سہہ کر بہت خاموش ہوگئی تھی۔ اجمل تقریباً" روز ہی ان سے ملنے ہوٹل آجاتا اور ایک طویل وقت ان ساتھ گزارتا۔

یوں ہی بہت سے اداس دنوں کی ایک شام شہزادی نے بتایا۔

"وہ لوگ واپس اسلام آباد جارہے ہیں۔ مصباح تھوڑی بہتر ہے آپ کا بہت شکریہ کہ نے ہمارا بڑا ساتھ دیا۔" اس نے رسمی سے انداز کہا۔

"شکریے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ میرے کی ہیں۔ آپ سب کے دکھ میرے دکھ ہیں۔ فارمل انداز کی ضرورت نہیں۔"

"نہیں پھر بھی... اگر اس رات آپ کے گھر ملتی تو... یہ بات تو یاد رکھنے کی ہے۔"

"خیر... یاد رکھنا اچھی بات ہے، مگر اسے اس لیجیے کہ اللہ کو آپ کو بچانا مقصود تھا۔ اس لیے اس آپ کو میرے گھر بھیج دیا۔"

"اجمل صاحب! اس شہر نے بے امان کردیا ہمیں۔ ہم اپنے ہی شہر کے اپنے لوگوں میں لٹ گئے جانے یہ حادثہ ہمارے ذہنوں سے کب نکلے گا۔ آپ نہیں پتا، میرے وجود میں کیسی نفرت بھر گئی ہے۔ میرے لیے دعا کیجیے گا۔"

رقت رخصت وہ بہت سے لفظ لفظ جوڑ جوڑ اس کی بکھری شخصیت کو سکون دینا چاہتا تھا۔ مگر کبھی کچھ بھی نہیں کیا جاتا۔ وہ یوں ہی بے ربط با کرکے اپنے اسی مخصوص حلیے میں اپنے گروپ ساتھ آگے بڑھ گئی۔

اس المناک حادثے کے بعد اجمل سعدی بھی کراچی میں نہ رہ سکا۔ واپس اسلام آباد آگیا۔

☆ ☆ ☆

اکثر رات کے کسی پہر بلیو جینز اور اجرک کے کرتے میں ملبوس وہ لڑکی اس کے سامنے آکھڑی ہوتی۔ پریشان اور الجھی الجھی سی، یہ تصویر اس کے دل و دماغ میں بس گئی تھی اور یوں ہی اسے سوچتے اور کاروبار زندگی میں مصروف ہوتے ہوئے کتنی ہی گھڑیاں بیت گئیں۔

وہ عام دنوں میں سے ایک عام سا ہی دن تھا۔ اخبارات کی ورق گردانی اس کا سب سے پسندیدہ مشغلہ تھا۔ اخبار کی سرخیوں پر نظر دوڑاتے ہوئے دوسرا صفحہ پلٹا تو حقوق نسواں کے نمایاں پیج پر اس کی نظر ٹھہری گئی۔

"حقوق نسواں" اس عنوان کے تحت "خواتین کے حقوق کی پامالی" پر سیمینار میں مختلف این جی اوز کے عہدے داران کے ساتھ نمایاں تصویر تھی۔

اس کی تصویر دیکھ کر دل کو ایک انجانی سی خوشی ہوئی اور اس سے ملنے کو دل چاہنے لگا۔

اور پھر ایک دن وہ میڈیا وژن کے دفتر پہنچ گیا۔ دوسرے فلور پر اس کا کمرہ تھا۔ اس سے ملنے سے پہلے اس کے کولیگز اسے پہچان گئے اور خاصی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے بتایا کہ شہزادی آج کل ہیومن رائٹس کے ساتھ خواتین کے ساتھ ظلم و تشدد پر کام کررہی ہے۔ ان کے تعاون سے سارے حقائق کو سامنے لاتی ہے۔ ثبوت کے لیے اسے دور دراز کے گاؤں، دیہاتوں کی گواہیاں چاہیے ہوتی ہیں۔ جس کے لیے وہ دن رات کام کررہی ہے۔ اس کے آنے میں کم از کم دو گھنٹے ہیں۔ وہ اس کا انتظار کرلیتا، مگر وہ تھکی ہوئی آئے گی۔ یہی سوچ کر وہ اٹھ گیا اور پھر کسی روز آنے کا وعدہ کرکے چلا گیا۔

وہ بہت خطرناک موضوع پر کام کررہی تھی۔ اسے فکر سی ہونے لگی، وہ اس کی دستاویزی فلمیں بڑے غور سے پڑھتا بھی تھا اور دیکھتا بھی تھا۔ سچ کہنا کتنا آسان ہوتا ہے، مگر سچ کا سامنا کرنا سب سے مشکل۔ وہ اس سے مل کر یہ سب کہنا چاہتا تھا۔

ایک روز آفس سے واپسی پر اس کی گاڑی "میڈیا وژن" کی طرف مڑ گئی۔

"شاید وہ ہو۔" امید کی کرن کے ساتھ وہ اس کے روم کی طرف آگیا۔ وہ اپنی کرسی پر براجمان تھی۔ اس کی سائیڈ ٹیبل پر کمپیوٹر تھا، وہ کسی کور اسٹوری پر کام کررہی تھی۔

اس کی آمد پر وہ چونکی اور ایک شناسا مسکراہٹ اس کے چہرے پر آگئی۔

"مجھے معلوم تھا آپ آئیں گے۔" وہ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"کیسے؟" وہ حیران ہوا۔

"اس لیے کہ جب آپ مجھ سے ملنے آئے تھے، اس وقت آپ کی اور میری ملاقات نہیں ہوئی تھی۔"

"اوہ!" اس کی حیرانی دور ہوئی۔

انٹرکام پر اس نے چائے کے ساتھ بسکٹ وغیرہ کے لیے کہا اور اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔ وہ پہلے دن والی پریشان لڑکی کتنی بدلی ہوئی سی لگ رہی تھی۔ وہی ڈھیلا ڈھالا سا کرتا، جینز اور گلے میں اسکارف پہنے، سادہ سی لڑکی اپنے انداز میں یکتا تھی۔ نہ غیر معمولی حسن، نہ نقش و نگار، بس عام سی لڑکی جو اپنے کردار اور گفتار میں خاص تھی۔ کیا بات تھی اس میں؟ کیا بے پناہ کشش تھی؟ اس کا چہرہ کتنا معصوم اور پرکشش ہے۔ اس کے سراپے میں سادگی ہے، وہ نہ جانے کیا کچھ سوچ گیا۔

"کن سوچوں میں گم ہیں؟" وہ کمپیوٹر آف کرتے ہوئے بولی۔

"کچھ بھی نہیں۔ یہ بتائیں آپ کیسی ہیں؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں، بری طرح مصروف رہتی ہوں۔ شاید یہی زندگی ہے۔"

"زندگی تو بہت خوب صورت ہے شہزادی بی بی، آپ تو اپنی دنیا میں گم رہتی ہیں۔ کبھی اس سے باہر نکل کر دیکھیے، پھر آپ کو اندازہ ہوگا۔" اس نے جیسے اسے احساس دلایا۔

"مجھے اچھی طرح اندازہ ہے اور بہت احساس ہے کہ زندگی کتنی خوب صورت ہے۔" وہ تلخی اور گہرے دکھ سے بولی۔

"لیکن اس خوب صورت زندگی کو بدصورت بنانے والے بے حس لوگوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

www.paksociety.com

"او شہزادی! آپ ابھی تک اسی حصار میں ہیں۔ بھولنے کی کوشش کیجیے' خدارا اسے' جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔"

"صحیح کہا آپ نے جو ہونا تھا ہو چکا۔" وہ طنزیہ ہنسی ہنس کر بولی۔

"مسٹر' میرے ساتھ میرے کولیگز کے ساتھ جو کچھ پیش آیا' کیا میں اسے بھول سکتی ہوں۔ کبھی نہیں' میں کبھی معاف نہیں کر سکتی' ان سفاک لوگوں کو جن کے اندر انسانیت نام کی کوئی چیز نہیں۔" وہ بہت سرد لہجے میں کہہ رہی تھی۔

اس ایک لمحے میں اجمل سعدی نے محسوس کیا کہ اس کو سمجھانا اس وقت مناسب نہیں۔ اس کے لیے وقت درکار ہے۔

"آپ کیا کر سکتی ہیں ایسے لوگوں کے لیے۔" اس نے نرمی سے پوچھا۔

"میں کیا کر سکتی ہوں' نہیں' بلکہ جو کچھ کر رہی ہوں' اسی میں بہت کچھ ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس راہ میں پتھر بہت ہیں اور گہری کھائیاں بھی ہیں۔ خیر اب تو میں عادی ہو گئی ہوں۔"

اسی گفتگو کے دوران میں چائے آگئی تھی۔ چائے کا گرم سپ لے کر اس نے اس کی بہت سی تلخ باتیں برداشت کیں اور بولا۔

"بس میں اتنا چاہتا ہوں کہ یہ میری آپ سے آخری ملاقات نہ ہو' اس لیے تھوڑی سی خوشگوار باتیں کر لینے میں کیا حرج ہے۔"

"اوہ... سوری!" اس کی بات سمجھ کر اسے اندازہ ہوا کہ واقعی اس کی باتوں میں کتنی کڑواہٹ ہے اور وہ ایک دم مسکرا دی تو اس کے چہرے پر کھنچا تناؤ پل بھر میں غائب ہو گیا۔

"ایک بات ہے' آپ مسکراتے ہوئے اچھی لگتی ہیں۔ اپنی عمر سے بڑی مت بنیں۔ کچھ آنے والی عمر کے لیے بھی چھوڑ دیں۔ ورنہ خرانٹ مشہور ہو جائیں گی۔"

"کیا کروں... مجبور ہوں۔ ہم عقربی (Scorpio) لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ باتوں میں زہر ہوتا ہے اور زبردست کاٹ ہوتی ہے۔ بہت کم لوگ اسے ساتھ لے کر چلتے ہیں' رسک لینا ان کی عادت ہے اور سب سے بڑھ کر منتقم مزاج ہوتے ہیں اور..."

"بس... بس..." اجمل نے ہنستے ہوئے کہا۔

"مجھے آپ کی خوبیوں سے انکار نہیں' ایسے افراد کو لبرا ہی گرفت میں لے سکتے ہیں۔ آپ کو پتا ہے لبرا اور اسکارپیو کی دوستی بہت کامیاب رہتی ہے۔"

"آپ نے سچ کہا۔" وہ ایک دم بولی۔

"مگر لبرا تھوڑے بے پروا اور فلرٹ ہوتے ہیں۔"

"اب کیا کریں۔ ان کی پرسنالٹی ہی ایسی ہوتی ہے۔ لڑکیاں تو دیوانی ہوتی ہیں۔" وہ بہت شوخی سے اترا کر بولا۔

"اتنا زعم ٹھیک نہیں ہوتا۔ لڑکیاں تو معصوم اور نادان ہوتی ہیں' مرد تو انہیں اپنی طرف کھینچتے ہیں۔" وہ فوراً" بولی۔

"وہ بہت... خیر۔" وہ نجانے کیا بولنا چاہ رہا تھا کہ رک گیا۔

"اب اس بحث کو رہنے دیں' ورنہ بات بہت آگے تک جائے گی۔"

"او کے!" اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

یوں ہی بہت ساری باتوں میں وقت گزر گیا اور پتا ہی نہیں چلا کہ ان کے درمیان خاصے تکلف کے پردے ختم ہو چکے ہیں۔ اگلی دفعہ ملنے کا کہہ کر وہ رخصت ہو گیا۔ کسی شاعر نے کہا تھا۔

محبت اک سفر کا سلسلہ ہے
بچھڑ کر کون کس کو سوچتا ہے

مگر اجمل سعدی کی جب بھی ملاقات شہزادی عامر سے ہوتی' وہ اگلی ملاقات کے لیے پھر سے بے چین ہو جاتا۔ وہ عام لڑکیوں سے کتنی مختلف تھی۔ اس کی سوچ' اس کی شخصیت اجمل سعدی کے حلقہ احباب سے بالکل میل نہیں کھاتی تھی۔

ایک سے ایک خوب صورت ناز و ادا کی لڑکیاں اس کی دوست تھیں۔ مگر ان میں شہزادی کا وجود سب سے جدا تھا۔ اس کے خیالات کی پختگی' زندگی کا حقیقی انداز' دکھ کو محسوس کرنا' مردانہ وار حالات کا مقابلہ... یہ سب کچھ کوئی غیر معمولی لڑکی ہی کر سکتی ہے۔

اس غیر معمولی لڑکی کا معمولی حسن اسے دیوانہ بنا گیا تھا۔ وہ ہفتے میں کئی کئی دفعہ اس کے آفس کے چکر لگاتا۔ اس کی ایک جھلک کے لیے ہر لمحہ بے قرار رہتا۔

"کیا ہو گا میرا۔" وہ بے بس ہو کر سوچتا۔

"یہ کہاں دل ہار گیا ہوں میں۔"

"وہ تو بالکل پتھر ہے' دوسروں کے جذبات سے عاری۔ اسے دل کی باتیں کہاں آتی ہیں۔"

شہزادی عامر اور اس کے درمیان اچھی خاصی انڈر اسٹینڈنگ ہو چکی تھی۔ وہ ہر موضوع پر اس سے بہت اچھے انداز میں ڈسکس کرتی۔ اس جذبے کو ایک خوب صورت نام دے سکتے ہیں۔ جسے عرف عام میں دوستی کہتے ہیں۔

لیکن اجمل دوستی کے دائرے سے باہر نکل کر اسے اپنے ساتھ لے کر چلنا چاہتا تھا۔ جبکہ وہ اکیلی اپنی ہی دھن میں چلتی رہی۔

اجمل اس کی ممی سے ملا تھا۔ وہ بہت نفیس خاتون تھیں۔ ایک مونٹیسوری اسکول چلا رہی تھیں۔ شہزادی سے بڑی نریما کی شادی ہو چکی تھی۔ اب شہزادی ہی ان کا سب کچھ تھی' والد دو سال پہلے کار ایکسیڈنٹ میں وفات پا چکے تھے۔ وہ اس کے فرض سے بھی سبکدوش ہونا چاہتی تھیں۔ مگر شہزادی شاید اس کے لیے تیار نہ تھی۔ وہ اپنی جاب کے سلسلے میں بے انتہا مصروف رہتی۔ کتنے ہی پرپوزل ٹھکرا چکی تھی۔ شہزادی کی ممی اجمل کی آنکھوں میں پسندیدگی کا عنصر دیکھ چکی تھیں اور وہ بھی چاہتی تھیں کہ شہزادی' اجمل کا ہاتھ تھام لے... مگر وہ... وہ ان تمام باتوں سے بے نیاز' موسموں کی پروا کیے بغیر اپنے پروجیکٹ پر کام کرتی رہتی۔

اس روز بھی صبح سے آسمان کالے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

اس تیز برستی بارش میں... وہ اندرون شہر ایک ایسی عورت پر ڈاکومنٹری کے لیے گئی تھی۔ جس کی جوان بیٹی کو اس کے بھائیوں نے شک کی بنیاد پر یا لڑکے کے ساتھ دیکھ لیے جانے پر کلہاڑی سے بے دردی سے قتل کر دیا تھا۔ اسی پر بس نہیں' بلکہ لڑکی کی ماں پر بھی تشدد کیا تھا کہ اس نے بیٹی کو اتنی آزادی کیوں دی۔ اس سائنسی دور میں جبکہ انسان تسخیر قمر کا دعوے دار ہے۔ کائنات کے بہت سے رازوں کو منکشف کر رہا ہے۔ اس دور میں ایسی باتیں' ایسے واقعات بہت عجیب لگتے ہیں۔

ایک کمزور سی عورت کے ساتھ کتنا کچھ ہو جاتا ہے۔ مگر شہزادی عامر ایک ایسی شعلہ صفت مجاہدہ تھی جو تن تنہا اس محاذ پر ڈٹی تھی۔ اس نے شاید یہ طے کر لیا تھا کہ وہ مردوں کے اس منفی اور گھناؤنے کردار کو عیاں کر کے رہے گی۔

انسانی حقوق کمیشن کے ساتھ مل کر وہ آگے سے آگے جا رہی تھی۔ رات گئے گھر لوٹنا' صبح ہوتے ہی اپنے مقصد کے لیے نکل جانا۔ اس کی زندگی یہی تھی۔

"بات سنو۔" ایک روز وہ اس سے فون پر بہت کچھ کہنے کے موڈ میں تھا۔ بہت سارے شکوے اس کے دل میں جمع ہو گئے تھے۔

"تم کچھ وقت اپنے پیاروں کو نہیں دے سکتیں۔" اس نے فون پر شکوہ کیا۔

"کیوں ایسی کیا بات ہو گئی۔" وہ شاید سو کر اٹھی تھی' لہجہ دیر تک سو کر اٹھنے کی چغلی کھا رہا تھا۔

"مجھے تو خیر چھوڑو' اپنی ممی کو دیکھا ہے۔ ان کی صحت کی پروا ہے تمہیں؟"

"کیوں ممی نے کچھ کہا ہے تم سے۔" وہ یکدم تیزی سے بولی۔

"ریلیکس... وہ بھلا کیا کہیں گی۔ کیا ان کی خاموشی کچھ نہیں بتاتی' تمہارا آنا' تمہارا جانا اور وہ سارا دن تنہا... گزار دیتی ہیں۔

شہزادی وقت اور حالات ایک جیسے نہیں رہتے' تم روز بروز اپنے کام میں اتنی منہمک ہوتی جا رہی ہو کہ خود تمہارے اردگرد تمہارے لوگ کیسے ہیں' تمہیں

احساس تک نہیں۔"

"آپ کا مطلب ہے۔ میں بے حس ہو گئی ہوں۔" وہ درمیان سے اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔

"یہ میں نے نہیں کہا۔" وہ نرمی سے بولا۔

"بس جو محسوس کیا وہ کہہ دیا۔"

"تمہیں تو موسموں کے حسن کی بھی پروا نہیں۔ تمہیں تو اتنا بھی خیال نہیں کہ نظریں اٹھا کر اپنے آس پاس کھلے خوب صورت پھول دیکھ لو۔ تمہیں تو میرا دل کیا، میرا وجود بھی نظر نہیں آتا۔ نہ جانے کیوں یہ محبت کی آگ میرے دل میں جل اٹھی ہے۔" وہ چپ چاپ سوچ گیا۔

"کیا ہوا، ہیلو۔" اس کی طرف سے خاموشی پا کر وہ چونکی۔

"آں ہاں... کچھ بھی نہیں۔ چلو ٹھیک ہے، پھر بات ہوگی ہم مصروف ہو۔" وہ بولا۔

"ٹھیک ہے فون رکھ دیجیے۔ مگر شام کو گھر پہ آپ کا انتظار کروں گی۔ کھانا ہم ساتھ کھائیں گے۔"

"کیا..." اس ایک لمحے میں وہ کچھ حیران، کچھ پریشان ہوا۔ کیا اس نے ابھی جو بات کی ہے، واقعی اسی نے کہی ہے؟

"کیا آپ کو یقین نہیں آرہا کہ میں آپ سے ایسی کوئی بات کہہ سکتی ہوں۔ آپ شام کو آرہے ہیں، ہم منتظر ہیں، اللہ حافظ۔"

اللہ حافظ کہہ کر وہ فون کریڈل پر رکھ چکی تھی اور اجمل سعدی کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔

شام کو وہ خوشگوار موڈ کے ساتھ اس کے گھر پر موجود تھا۔ فیروزی رنگ کے سادہ سے سوٹ میں وہ نکھری نکھری سی تھی اور عام دنوں سے بہت مختلف لگ رہی تھی۔

وہ بالکل عام سی لڑکی تھی، لیکن اس کے چہرے پر ایک عجیب کشش تھی اور خاص طور پر جب وہ مقابل کے ساتھ گفتگو کر رہی ہوتی تو سامنے والا اسے ہی دیکھے جاتا اور اس وقت بھی وہ اس کے سامنے بیٹھی تھی اور محو گفتگو تھی۔

"ایک بات کہوں؟" اس کے فریش موڈ کو دیکھ بولا۔

"ہاں کہیے۔" وہ تھوڑا حیران ہوئی۔

"تم بہت اچھی لگ رہی ہو، عام دنوں سے ہٹ کر۔"

"اچھا شکریہ!" وہ بے ساختہ مسکرا دی۔

"تم نے اپنی زندگی کے بارے میں کیا سوچا ہے؟ اب یہ مت کہنا کہ کیا مطلب؟" اس نے شہزادی کے جواب دینے سے پہلے ہی وضاحت کر دی۔

"اگر آپ اس زندگی کی بات کر رہے ہیں، جس کے معنی شادی ہوتے ہیں تو اب اس پر بات کرنا بے ہے۔ وہ اس لیے کہ پہلے تو میری زندگی ہر لحاظ سے نارمل تھی۔ مگر اب نارمل نہیں ہے۔"

امن کا مرہم کہیں نہیں لگتا
سو دکانیں ہزار ٹھیلے ہیں

"کیوں، نارمل کیوں نہیں ہے؟" اس نے اچنبھے سے کہا۔

"کیونکہ جب سے وہ حادثہ ہوا ہے اور میری کولیگ کو جس بے دردی سے ان شیطان صفت لوگوں نے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا ہے، میرا دل مردوں کی طرف سے بہت خراب ہو گیا ہے۔ ایک نفرت سی ہو گئی ہے بس میرا دل اور دماغ نہیں مانتا۔" وہ الجھی ہوئی لگ رہی تھی۔

"میرا مطلب... تمہارے زخموں کو نئے سرے سے جگانا نہیں تھا۔ مگر جن درندوں کی تم بات کر رہی ہو تو معاف کیجیے گا۔ ان کا شمار معاشرے کے افراد میں نہیں ہوتا۔ تم نے سب کو ان کے ساتھ شامل کر لیا، یہ انصاف نہیں۔ تمہارے والد بھی ایک مرد تھے۔ تمہارا بہنوئی جو تمہارے سامنے ہے، وہ بھی ایک مرد ہے اور جن ساتھیوں کے ساتھ تم کام کرتی ہو وہ بھی بیشتر مرد ہیں۔ اپنے دل و دماغ سے ذرا سوچو۔" بہت تحمل اور برداشت سے اسے سمجھا رہا تھا۔

"مگر اجمل صاحب! اس واقعے کے بعد میں زندگی کو صحیح انداز سے دیکھا ہے۔ آپ میرے سات

چل کر ان دکھی عورتوں کو دیکھیے جو دور دراز کے گاؤں میں کیسی پس ماندہ زندگی گزار رہی ہیں۔ بارہ سالہ لڑکی کی شادی پچاس سالہ آدمی سے کرنا کہاں کی دانش مندی ہے، یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ پیسے کے لیے بیٹی کو بیچ دیا۔ اس کے خواب جلا دیے۔ جائیداد کے چکر میں قرآن سے شادی، کارو کاری، یہ سب کیا ہے؟ اندھا قانون اور ان سب کے پیچھے مردوں کی خود غرضی۔ اونہہ... مرد سے شادی کر کے سمجھتی ہیں، عورتیں پناہ میں آگئیں۔ اگر وہی مرد طلاق دے دے تو کہاں ہے اس کے لیے پناہ۔ ایسی کتنی ہی عورتوں کی آنکھوں میں، میں نے دکھ دیکھا ہے جن کے شوہروں نے دوسری شادیاں کر کے پہلی بیوی کو بغیر نان نفقے کے بے آسرا کر دیا ہے۔ تو اجمل صاحب، ایسی ہی کم عقل عورتوں کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہوں۔"

"تنہا رہ جاؤ گی۔" وہ صرف اتنا ہی بول سکا، اس کی تقریر کے جواب میں۔

"میں تنہا نہیں ہوں، میرے ساتھ بہت لوگ ہیں۔" وہ بڑے زعم سے بولی۔

"ارے بیٹا... یہ تو اسی بحث میں الجھی رہے گی اور کھانا بھی ٹھنڈا کر دے گی۔"

آنٹی نے مداخلت کی تو اندازہ ہوا کہ وہ دونوں کتنی ہی دیر سے بات چیت کر رہے ہیں۔

"کھانا بہت لذیذ تھا۔" اس نے تعریف کی۔

"تمہیں پتا ہے بیٹا۔ آج کا کھانا شہزادی نے تیار کیا ہے۔"

"اچھا..." اسے واقعی بڑی حیرانی ہوئی۔ "ان کے پاس اتنا وقت ہوتا ہے۔"

"ارے بیٹا... اب یہ کم کھانا بناتی ہے۔ ورنہ گھر کے کام کاج میں اسے سب سے زیادہ شوق کوکنگ کا ہے۔" آنٹی نے بہت محبت سے کہا۔

"چکن جل فریزی اور نرگسی کوفتے بہت اچھے لگے۔" اجمل نے شہزادی سے کہا۔

"آپ کو اچھے لگے، اس کے لیے شکریہ۔" "آپ کو پھر بلائیں گے اور اس سے بھی اچھی ڈشز کے ذائقے چکھائیں گے۔"

"جانے وہ دن کب آئے گا؟" اجمل نے بہت حسرت سے کہا تو سب ہنسنے لگے۔ یوں ایک خوش گوار ماحول میں کھانا کھایا گیا۔

کھانے کے بعد وہ دونوں چائے لے کر باہر لان میں آبیٹھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بہت سکون دے رہے تھے۔

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم جیسی ضدی لڑکی موم کی گڑیا کی طرح میرے ساتھ بیٹھی ہے۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ جو ہوا سے اڑتے اپنے بالوں کو سمیٹ رہی تھی۔

"اگر میری محنت، میرے کام کو آپ ضد سمجھتے ہیں تو یہی سہی۔" وہ رسان سے بولی۔

"تمہیں پتا ہے شہزادی، میری امی مجھ سے سخت خفا ہیں، صرف اس لیے کہ وہ کتنی ہی لڑکیاں شادی کے لیے دکھا چکی ہیں۔ میری پسند پوچھ چکی ہیں۔ اب میں انہیں کیسے بتاؤں کہ جو میری پسند ہے، وہ کسی طور پر راضی نہیں ہے۔"

اس کی بات سن کر وہ چونکی، مگر بولی کچھ نہیں۔

"سنو شہزادی میری طرف دیکھو۔" وہ چائے کا کپ ٹیبل پر رکھتا ہوا بولا۔ تو شہزادی نے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہیں پتا ہے، تمہیں احساس ہے نا کہ مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے اور یہ جذبہ مجھ جیسے بندے کے لیے بہت معنی رکھتا ہے۔ جو زندگی میں بہت حسن پرست رہا ہو اور کسی ایک جگہ قناعت نہ کی ہو۔ مگر تم میں ایسی کیا بات ہے، کیا معصومیت ہے کہ تمہارے آگے سب لڑکیاں ہیچ لگتی ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم میرے بارے میں ضرور سوچو اور کسی فیصلے پر پہنچو۔ میں تمہارے جواب کا منتظر رہوں گا۔"

اس دوران میں اس نے بہت ساری باتیں شہزادی سے کیں۔ وہ ہوں ہاں کرتی رہی اور بہت سارے لمحے آگے سرک گئے۔ جانے کتنی خواہش اور امیدیں لے کر وہ اس کے گھر سے رخصت ہو گیا اور کتنے ہی دن

اس کی اور شہزادی کی بات نہ ہوئی۔

وہ سوچتا' شاید وہ' بہت کچھ سوچ رہی ہو' کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہی ہو" آنٹی بھی تو یہی چاہتی ہیں کہ شہزادی کی شادی میرے ساتھ ہو جائے۔ خدا کرے' کسی مثبت فیصلے کی نوید ہو۔

مگر وہ کسی مثبت فیصلے پر پہنچنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

جب ہی تو دن پر لگا کر اڑ رہے تھے۔

اجمل سعدی نے زندگی میں کبھی کسی لڑکی سے مات نہیں کھائی تھی اور یہ لڑکی۔۔۔

"آخر اس میں ہے کیا۔" وہ پھر سوچنے لگا۔

"کس بات کا غرور ہے' معمولی سے خدوخال کی لڑکی۔"

مگر وہ غیر معمولی لڑکی رفتہ رفتہ اس کے لیے چیلنج بنتی جا رہی تھی۔ ایک روز نہ چاہتے ہوئے بھی وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کے گھر پہنچ گیا۔

اجمل کو دیکھ کر اس کے چہرے پر ایک آسودہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"اچھا ہوا' آپ آگئے میں آپ کو فون کرنے کا سوچ رہی تھی۔"

اس کے اطراف خوشی رقص کرنے لگی۔ اس نے وہی سنا جو اس نے کہا تھا۔

"ایسی کیا بات تھی کہ تمہیں اپنی مصروفیت میں بھی مجھے فون کرنے کا خیال آگیا۔" اس کے لہجے میں طنز تھا۔ جسے شہزادی نے محسوس کیا مگر مسکراتے ہوئے بولی۔

"شاید آپ اخبار نہیں پڑھتے ورنہ آپ خود مجھے فون کرتے۔" اس نے بہت مان سے کہا۔

"چلو تم ہی بتا دو۔ میں اخبار سے دور ہو گیا ہوں تو کیا ہوا؟ تم سے دور تو نہیں۔" آخری جملہ اس نے ذرا آہستہ کہا۔

"ہاں یہ تو ہے آخر آپ میرے سامنے ہیں۔" اس نے بھی فوراً جواب دیا۔

" Quranic Concept of Womens In Islam

اس موضوع پر میں نے ڈاکومنٹری تیار کی تھی۔ شب و روز کی کاوش سے اور اس کاوش کو منسٹری آف کلچر نے اقوام متحدہ میں بھیجا تھا اور میری ڈاکومنٹری کو نوبل پرائز ملے گا اکتوبر میں' اس کی آنکھوں میں جگنوؤں سی روشنی تھی۔

"زبردست۔۔۔ یہ تو واقعی بہت بڑی خوش خبری ہے۔ اپنی کوتاہی کی معافی چاہتا ہوں' ورنہ مجھ سے زیادہ تمہاری خوشی اور کامیابی کو سیلیبریٹ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"آپ کو نہیں پتا' میرا کتنا بڑا خواب ہے۔" وہ اپنی دھن میں بولی۔

"عورت کے وجود کو منوانا' اس کی عزت اور احترام کے لیے مذہب نے کتنے پیارے اصول وضع کیے ہیں۔ ان تمام باتوں کے ساتھ نچلے طبقے کی عورت کے دکھ' ان کے مسائل کو سامنے لانا' ان کے مسائل کو حل کرنا' میرا مقصد ہے دعا کیجیے' میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں۔"

"ہاں۔۔۔ ایسا ہی ہو گا اور ایسا ہی ہو رہا ہے۔" وہ بہت ضبط کے مرحلے سے گزر رہا تھا۔

"اس لڑکی کی تو راہ ہی کچھ اور ہے شاید۔۔۔ میں ہی اس کے راستے میں آگیا۔ میں اسے اپنا بنا کے شاید غلطی کر رہا ہوں۔ اس کے کچھ خواب ہیں اور یہ اپنے خوابوں کی منزل پانا چاہتی ہے۔"

شہزادی کی آواز پر وہ فوراً "سوچ کی وادی سے باہر نکل آیا۔

"سنیں۔۔۔ آپ میری کامیابی پر زیادہ خوش نہیں ہوئے۔ اتنی خاص خوشی ملی ہے اور آپ۔۔۔"

"یہ بات نہیں ہے شہزادی۔۔۔ تم واقعی خاص ہو۔ عام لوگوں سے ہٹ کر ہو۔۔۔ تمہاری کاوش نے تمہیں اس عظیم کامیابی سے ہمکنار کیا ہے۔ البتہ تمہارا یہ کہنا غلط ہے کہ مجھے خوشی نہیں ہوئی۔ میں تو صرف تھوڑی دیر کے لیے اس لیے خاموش ہو گیا تھا اور یہ بھی سوچ رہا تھا کہ تم اور کتنا آگے جاؤ گی اور تم نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے؟ اور یہ کہ کیا کسی کی کہی گئی بات

تمہارے لیے کوئی اہمیت رکھتی ہے یا نہیں؟"

اس نے ایک سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

شہزادی نے یکدم اس کی طرف دیکھا' وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ اجمل نے روک دیا۔

"اس وقت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں' تمہارے پاس وقت ہو گا تو جواب دے دینا۔ میں تمہیں کسی اذیت میں ڈالنا نہیں چاہتا' لیکن تمہارا ساتھ بہرحال چاہتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

اس نے کوریر سروس کے ذریعے شہزادی کے لیے ٹی روز اور گلاب کے پھولوں کا بکے اور کارڈز بھجوایا تھا۔ کتنا دل چاہ رہا تھا خود جا کر دینے کو' مگر بہرحال وہ مرد تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ جب وہ اس کے روبرو ہو تو صرف وہ اس کے بارے میں باتیں کرے' مگر اس کے پاس ادھر ادھر کے مسائل کا ڈھیر تھا۔ اس کے جذبات کی قدر کہاں تھی؟ رفتہ رفتہ اس نے محسوس کیا کہ شہزادی عامر کے پاس دل تو نہیں پتھر ہے' جذبات نام کی کوئی چیز اس کے اندر نہیں۔

میڈیا کوریج کے لیے وہ دور دراز کے گاؤں کا سفر کرتی' دشواریوں کا سفر طے کرتی' ثبوت اکٹھے کرتی' مظلوم عورتوں کو انصاف دلواتی' ان کو روزگار دلواتی' باعزت جگہ کے لیے کوشش کرتی۔

ایک عجیب مشن پر وہ روانہ ہو چکی تھی۔ اپنی ذات کی نفی کر کے اس نے شاید دل کا چین پالیا تھا۔ مگر کسی کے دل کا چین لوٹ لیا تھا۔

اس نے اجمل سعدی سے واضح الفاظ میں کہا تھا۔

"میں شادی جیسے بندھن میں بندھنا نہیں چاہتی۔ میں عام لڑکیوں کی طرح زندگی نہیں گزار سکتی۔ میری زندگی کا مقصد کچھ اور ہے' مجھے میرے راستے سے مت بھٹکائیے۔"

مگر اجمل سعدی نے اس کی باتوں کو دل پر نہیں لیا تھا اور ہار نہیں مانی تھی۔ اس سے یہ ضرور کہا۔

"جو لوگ فطرت کے خلاف چلتے ہیں' اللہ بھی ان

کو پسند نہیں کرتا۔ تم کب تک اکیلے، تن تنہا ایک غرور کے ساتھ چلوگی۔ تمہیں میری ضرورت ہر طرح محسوس ہوگی۔"

☼ ☼ ☼

یہ سب سے بڑی حقیقت ہے کہ عورت اس معاشرے میں یعنی مردوں کے معاشرے میں تنہا زندگی نہیں گزار سکتی۔ خواہ وہ کتنا ہی دعوا کیوں نہ کرے۔

اور آج چھ سال بعد اجمل سعدی کی بہت سی باتیں سچ ثابت ہو رہی تھیں۔ دوسروں کے حقوق کے لیے جنگ لڑتے ہوئے شہزادی۔ کو ایک دم اپنے حقوق کا احساس ستانے لگا کہ خود اس نے اپنی ذات پر کتنے ظلم سہے ہیں اور جو اس کی ذات کے ساتھ وابستہ ہونا چاہتا تھا۔ اس کو بھی شہزادی نے اپنے راستے سے ہٹا دیا تھا۔

ہر عورت کا اپنا ایک گھر ہوتا ہے' گھرانہ ہوتا ہے' ٹھیک ہے مردوں کے اس معاشرے میں ہمیشہ مردوں کی بالادستی قائم رہتی ہے۔

ایک مرد وہ ہوتا ہے جو عورت کو پناہ دیتا ہے' تحفظ دیتا ہے' چار دیواری دیتا ہے' ایک مرد وہ بھی ہوتا ہے جو عورت کے سر سے چادر چھین لیتا ہے' گھر سے بے گھر کر دیتا ہے۔ عزت نفس کو مجروح کرتا ہے۔ اس کی دھجیاں سر بازار بکھیر دیتا ہے۔

شہزادی کے دل و دماغ میں مرد کا یہی منفی انداز بس گیا تھا۔ جس کے سبب اس نے اپنی زندگی کے کئی سال کٹھنائیوں میں بسر کیے۔ جب ہی تو اجمل سعدی کی محبت اس کے دل تک نہ پہنچ سکی۔

مگر شاید وقت بہت ساری تبدیلیاں لاتا ہے۔ بہت سارے فیصلے محفوظ کر لیتا ہے اور اس وقت وہ فیصلے سامنے آتے ہیں۔ جب ان کی واقعی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے اندر کی عام سی لڑکی جاگ گئی تھی۔ بہت سی خواہشیں اس کے من میں بس گئی تھیں۔ اجمل سعدی کی محبت رنگ لے آئی تھی وہ خاص لڑکی ایک عام سی لڑکی تھی۔ جس کا دل ہمیشہ گھر' دریچے اور معصوم سے بچوں کی تمنا کرتا ہے۔

مگر ہر عام لڑکی یہ ضرور چاہتی ہے' اس معاشرے میں اس کی چادر کی حفاظت کی جائے' اس کی عزت کی جائے' کیونکہ وہ عام سی لڑکی ماں کے درجہ پر بھی فائز ہوتی ہے۔

☼ ☼ ☼

"سنو... درد کے آخری قطرے کو اب رخصت کر دو۔" وہ اس کے سامنے تھی۔ وہ اس کی آنکھوں کی اداسی کو اپنے لہجے کی محبت میں سمیٹ کر بولا۔

"کیسے...." وہ آنکھوں سے گرتے اشک کو ابھی ٹشو میں جذب کر رہی کہ اجمل نے کہا۔

"ایسے؟" وہ اس کے آنسوؤں کو اپنے ہاتھوں کی پوروں سے صاف کر چکا تھا۔ شہزادی نے گھبرا کر اس کے ہاتھوں کے لمس پہ سر اٹھایا۔

"یہ میں ہوں' تمہارا شہزادہ... تم نے بن باس کاٹ لیا ہے... اور اب...." وہ مسکرا کر بولا۔

"میں چاہتا ہوں میری شہزادی اب کبھی اداس نہ رہے۔ پیچھے مڑ کر اداس راہوں کو نہ دیکھے۔"

"مِ جمل شہزادی' تمہارا شہزادہ تمہاری روح کے سارے زخموں پہ مرہم رکھنا چاہتا ہے۔" وہ ایک ایک لفظ پہ زور دیتا ہوا کہہ رہا تھا۔

"یہ چاند بڑا ضدی ہے میڈم... سو میرا کاندھا حاضر ہے۔ زندگی بھر کے لیے۔" وہ بڑے اسٹائل سے اس کے آگے جھکا۔

اور شہزادی نے محبت کے ساتھ اس کی محبت کی شدت کو محسوس کیا اور سکون سے اس کے ہاتھ کو تھاما اور مسکراتے ہوئے اس کے ہم قدم ہو گئی۔

دور کہیں صبح کے میلے میں زندگی جھوم رہی تھی۔

☼ ☼